علیؑ اور تنہائی

ڈاکٹر علی شریعتی

ناشر اسلامک بک سنٹر اسلام آباد

یہ کتاب

اپنے بچوں کے لیے scan کی بیرونِ ملک مقیم ہیں

مو منین بھی اس سے استفادہ حاصل کرسکتے ہیں۔
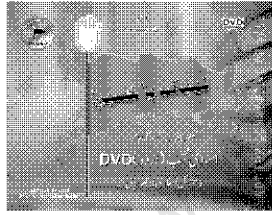
منجانب۔

سبیلِ سکینہ

یونٹ نمبر ۸ لطیف آباد حیدرآباد پاکستان

علیؑ اور تنہائی

ڈاکٹر علی شریعتی

ناشر

اسلامک بک سینٹر اسلام آباد

نام کتاب : علی علیہ السلام اور تنہائی

مصنف : ڈاکٹر علی شریعتی

ترجمہ : ادیب الہندی

پیشکش : سید محمد ثقلین کاظمی

ناشر : اسلامک بک سینٹر اسلام آباد

کمپوزنگ : میکسیما کمپوزنگ سینٹر

موبائل: 0333-5169622

پرنٹنگ : میکسیما پرنٹنگ پریس، راولپنڈی

تعداد اشاعت : ایک ہزار

بارِ اشاعت : یکم ربیع الاول/ 21 مارچ 2007ء

قیمت : 30 روپے

اسلامک بک سینٹر اسلام آباد

C-362 گلی نمبر 12، G-6/2، اسلام آباد، فون 051-2870105

پیش گفتار

اسلامک بک سینٹر کے زیر اہتمام اسلامی اور اخلاقی کتب معیاری انداز میں شائع کی جاتی ہیں۔ جو کتب اس وقت تک شائع ہو چکی ہیں ان میں ① سعادت الدارین فی مقتل الحسینؑ، ② مقتل لہوف، ③ برزخ کا سفر نامہ، ④ نماز شیعہ، ⑤ اول وقت نماز، ⑥ حقوق اموات، ⑦ اوم اور علیؑ، اور ⑧ ایلیا، قابل ذکر ہیں۔

ادارہ اس دفعہ ''علیؑ اور تنہائی'' کو بہترین انداز میں شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔ یہ کتابچہ اس سے قبل کتاب مرکز، شمالی ناظم آباد کراچی کی طرف سے شائع ہوا تھا اور اس کا ترجمہ ادیب الہندی صاحب نے کیا تھا ہم اس سلسلے میں ادارہ ''کتاب مرکز'' کے شکر گزار ہیں جن کے شائع کردہ پمفلٹ سے ہم نے فائدہ اٹھایا ہے۔

پروردگار عالم ہم سب کی توفیقات میں اضافہ فرمائے۔

والسلام

سید محمد ثقلین کاظمی

مورخہ 6 مارچ 2007ء

مقدمہ

بسمہ تعالیٰ

متعدد حوالوں سے شہرت رکھنے والی قومی شخصیت جناب مستطاب الحاج مولانا سید محمد ثقلین کاظمی اوائل زندگی سے ہی حسب استطاعت اسلامی تعلیمات کے فروغ اور نشر و اشاعت کیلئے کوشاں رہے ہیں اور بقول علامہ حافظ سید ریاض حسین نجفی

''اس عظیم کام کا اجر تو انہیں اللہ اور اس کی پاک نمائندہ ہستیاں ہی دے سکتی ہیں جن کی تعلیمات و علوم کی نشر و اشاعت کیلئے جناب کاظمی صاحب نے انتھک زحمتیں برداشت کیں۔''

کاظمی صاحب ہمہ گیر شخصیت اور ان کے کام کے بارے میں برادرم سید اختر عباس صاحب نقوی رقمطراز ہیں کہ ''وسائل کے نہ ہوتے ہوئے مسائل سے ٹکر لی۔ عزم صمیم کی دولت نے انہیں یہ راز بتایا کہ نیک نیتی اور سچائی کے ساتھ عمل خیر کیلئے کمر باندھنا انسان کا کام ہے، اسباب پیدا کرنا خالق انسان کی قدرت کا کرشمہ ہے ان کے بالوں کی سیاہی چاندی میں بدل گئی مگر دھن جوں کی توں رہی۔''

مولانا ثقلین کاظمی صاحب کی اسی دھن نے انہیں ڈاکٹر علی شریعتی کی کثیر

تصنیفات میں سے ''علی تنہا است'' کے ترجمے کی اشاعت کی طرف راغب کیا تا کہ علی شریعتی کے اصل، عمیق اور بارآور افکار سے آشنائی حاصل کر کے فکری اور عملی حرکت وکمال کی سمت پرواز کی جا سکے۔

چونکہ ایم فل اسلامیات میں حقیر کا مقالہ ''علم کلام کی تشکیل جدید اور ڈاکٹر علی شریعتی'' تھا لہٰذا مولانا صاحب نے مجھے ''علی اور تنہائی'' کا مقدمہ لکھنے کی ذمہ داری سونپی۔ لہٰذا بندہ کی گزارشات پیش خدمت ہیں:

''علی تنہا است'' میں علی شریعتی نے مولائے کائنات علی ابن ابی طالبؑ کی زندگی کے اس پہلو کو اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے جس کی طرف عموماً توجہ نہیں کی جاتی۔

اس مقالے میں شریعتی نے دو امور پر زور دیا ہے:

۱۔ اہمیت معرفت

۲۔ عدم معرفت کی بدولت علیؑ کی اس بسیط کائنات میں تنہائی۔

شریعتی اس حقیقت کو آشکار کرتے ہیں کہ کروڑوں لوگوں کے دل علیؑ کی محبت میں شبانہ روز تڑپتے ہیں اور محبت امیرؑ میں لکھی گئی کتابیں، اشعار، قصائد کو اگر یکجا کیا جائے تو ایک عظیم کتابخانہ معرض وجود میں آ جائے گا مگر علیؑ کی شخصیت کیسی تھی اور ان کی جامع اور اکمل ذات کو ذہن میں متصور کرنے والی شاید ایک کتاب بھی نہ مل سکے اس کربناک صورتحال کی ذمہ دار قوم وملت نہیں بلکہ قوم کے فضلاء و دانشور ہیں جو فرماتے ہیں کہ بات صحیح ہے مگر خلافِ مصلحت ہے۔

مولائے کائنات کی محبت از حد ضروری مگر ان کی محبت سے بھی زیادہ اہم اور گرانقدر ان کی ذات کی معرفت ہے جو کہ ایک انسان مطلق وکامل، چلچلاتی دھوپ میں مشغول مزدور، گہری فکر میں غوطہ زن فلسفی، خالق کائنات کی تخلیق میں محو پرواز

عارف کامل، محراب مسجد میں سر بسجود بے مثال عابد، لذائذ دنیا سے مستغنی زاہد، میدانِ حرب کا فقید المثال جنگجو، یتامیٰ وارامل کیلئے تاریک و سرد راتوں میں سامان مہیا کرنے والا مددگار، قوم و ملت کی ہدایت میں مصروف کامل رہنما، اخلاق و فضائل انسانیت کا چشمہ فیض، بے مثال شوہر، افضل ترین باپ اور سید البطحا کا مجموعہ اوصاف فرزند، نفس رحمۃ للعالمین ایسے جامع اضداد اوصاف کا مالک انسان کامل دنیا دار معاشرے میں ناشناختہ رہے۔ جس ذات کے نقش قدم پر چل کر معاشرہ کامیاب، سماج آزاد، ترقی یافتہ اور پُرسکون تہذیب معرض وجود میں آسکتی تھی اہل دنیا اس کی شناخت و معرفت سے بے بہرہ رہے۔

محبت عرفان کا لازمی نتیجہ ہے ہر سلیم الفطرت انسان کمال سے محبت کرتا ہے مگر محبت سے پہلے معرفت ورنہ محبت بے کار ہی نہیں شاید بت پرستی شمار ہو۔ محبت نجات دہندہ نہیں نجات دہندہ عرفان و معرفت ہے۔

﴿مَنْ مَّاتَ وَلَمْ یَعْرِفْ اِمَامَ زَمَانِہٖ مَاتَ مِیْتَۃً جَاھِلِیَّۃً﴾

(الحدیث)

شریعتی کے نزدیک نہج البلاغہ مذہبیات اور الٰہیات میں حرف آخر، فکر و نظریات کی دنیا میں انتہائی عمیق اور اخلاقیات کے موضوع پر بھرپور کتاب ہے جو کہ پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ یہ کسی عام انسان کی تحریر نہیں یہ صرف اور صرف علیؑ کا کمال ہے مگر اس سے بھی زیادہ اثر انگیز، عمیق اور ثمر بخش مولائے کائناتؑ کی پچیس سال کی خاموشی ہے۔

کسی گوشہ نشین اور تنہائی پسند انسان کی خاموشی نہیں بلکہ ایک انتہائی فعال اور زبردست متحرک انسان کامل کی پچیس سالہ خاموشی کوئی معمولی چیز نہیں مگر انسان جیسے

جیسے انسان ہونے لگتا ہے رفتہ رفتہ انسانی بلندیوں کی طرف قدم بڑھانے لگتا ہے اتنا ہی معاشرے سے دور اور بلند ہونے لگتا ہے خود کو اپنے ہی لوگوں میں غیر معروف، اجنبی اور ہم وطنوں سے بے گانہ محسوس کرنے لگتا ہے۔ دنیا میں صرف وہی تنہا نہیں جو عام انسانوں کے اندازِ فکر میں سوچتا ہو اور زمانے کے رنگ میں رنگا ہوا ہو۔

مولائے کائنات علیہ السلام ﴿وَمَا تَشَآءُونَ اِلَّا اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ﴾ کا مصداق جو مشیت ایزدی کے مطابق سوچتا ہو۔ جس نے مدتوں تلوار چلائی، جنگیں کیں، قربانیاں دیں اور بے پناہ کوششوں اور قربانیوں کے بعد ایک جدید معاشرے اور نئی تہذیب کی طرح ڈالی اور اپنے مشن میں کامیابی حاصل کی، اپنے منفرد اور زمانے سے بلند اندازِ فکر کی بدولت اپنے ہی ساتھیوں میں تنہا، اپنوں میں ہی اجنبی ہو گئے۔ نالۂ نیم شبی میں مشغول اور فریاد کناں ہیں ان کی خاموشی سے دل ڈرنے لگتا ہے۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے چاہنے والوں میں کوئی بھی تو نہیں جن سے مولائے کائنات علیہ السلام مانوس ہو سکیں۔ لہٰذا اندھیری رات میں شہر سے باہر صحراء میں چلے جاتے ہیں جہاں کوئی دیکھنے والا نہ ہو۔ پوری کائنات میں خود کو تنہا محسوس کرتے ہیں۔ صرف اور صرف منصب امامت و ہدایت انہیں لوگوں میں واپس لے آتا ہے۔

امیر علیہ السلام کی آبادیوں سے دور یہ سرد آہیں اور سسکیاں کیوں؟ کیونکہ معاشرے میں کوئی بھی تو نہیں جو ان کا عرفان حاصل کر سکے۔ انسان خواہشات و حیوانیت سے جس رفتار سے دور ہوتا جاتا ہے اتنا ہی تنہا ہوتا جاتا ہے اور صرف اور صرف انسان رہ جاتا ہے اور مولائے کائنات علیہ السلام، انسان مطلق۔

ان کی خاموشی کیوں ہے؟ ان کا غم کیا ہے؟ ان کی تنہائی اور ان کا غم یہ ہے کہ ہم انہیں پہچان نہ سکے۔

شریعتِ محبانِ امیر علیہ السلام کے اندر کے انسان کو کمال کے راستوں پر گامزن دیکھنا چاہتے ہیں اور یہ ایک ہی صورت میں ممکن ہے کہ ہم مولائے کائنات کی معرفت حاصل کرنے کے بعد ان کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کریں دنیوی آسودگی اور اخروی نجات کا یہی واحد راستہ ہے۔

والسلام

سید حسن عسکری نقوی
خطیب محمدی مسجد ایف بلاک، سیٹلائٹ ٹاؤن راولپنڈی
(ایم اے عربی، ایم اے اسلامیات، ایم او ایل (پنجاب یونیورسٹی)
(اے اے سی۔ الجامعۃ الاردنیۃ، عمان اردن)
شہادت العالمیۃ جامعۃ المنتظر، فاضل عربی لاہور
ایم فل علوم اسلامیہ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد

ڈاکٹر علی شریعتی کے بارے میں

ڈاکٹر علی شریعتی کا تعلق مشہد مقدس کے اطراف کے علاقے مزینان کے دینی اور علمی گھرانے سے تھا۔ وہ اپنے اجداد کی راہ و روش اور ان کی انسانیت اور علم کو اپنی میراث سمجھتے تھے لیکن جس شخصیت نے انہیں رخشندگی اور تابندگی عطا کی وہ ان کے اعلیٰ صفات والد محترم محمد تقی شریعتی تھے جنہوں نے اپنے روحانی اثرات سے علی شریعتی جیسے فرزند کو جوہر وجود انسانی میں ڈھالا۔

شریعتی کو بچپن ہی سے مطالعے کا غیر معمولی شوق تھا ان کی تعلیم سکول اور کالج کے نصاب تک محدود نہیں تھی بلکہ انہوں نے اپنے والد کے کتب خانہ اور ان کے دوستوں سے غیر معمولی کسب فیض کیا۔ والد کا کتب خانہ شریعتی کیلئے کنبہ اور زندگی کا درجہ رکھتا تھا وہ اس کی ایک ایک کتاب اور ان کی جلدوں سے مانوس و آشنا تھا۔

مختار مسعود کے بقول شریعتی پیرس سے ایک ڈاکٹریٹ سوشیالوجی اور دوسری ڈاکٹریٹ تاریخ اسلام میں حاصل کرنے کے بعد وطن واپس آئے تو حسینیہ ارشاد میں تاریخ شناسی، انسان شناسی اور جامعہ شناسی کی نظریاتی اور تصوراتی تعلیم دینے لگے۔ لوگ ان کی تقاریر سننے کیلئے چاروں طرف سے ٹوٹ پڑے۔ تقریر سنتے اور فریفتہ ہو جاتے۔ ملک کا کوئی حصہ اور کوئی کونہ ایسا نہ تھا جہاں وہ لوگوں کی دعوت پر تقریر کرنے نہ پہنچے ہوں۔ لوگوں نے انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا۔ تقریریں کتابی صورت میں چھپتی رہیں۔ کتابیں

ہاتھوں ہاتھ بکتی رہیں۔ بہت زیرک انسان تھے۔ سب کچھ فلسفہ تاریخ، انسان شدن، جامعہ شناسی دینی اور تشیع علوی کے حوالے سے کہتے رہے۔

تین سال کے مختصر عرصے میں شریعتی نے اپنے فلسفے اور تقریر سے قوم کا مزاج بدل ڈالا۔ ڈیڑھ سال تک ساواک کی اذیتیں برداشت کیں لیکن سر جھکانا ان کے ضمیر میں شامل نہیں تھا۔ اہل دانش انہیں عہد ساز اور نظریہ ساز شخصیت قرار دیتے ہیں۔ ایک قبیلہ جاوداں ایسے لوگوں کا بھی ہوتا ہے جو بعد از مرگ بھی اس دنیا کے کام سنوارنے میں لگے رہتے ہیں۔ ڈاکٹر علی شریعتی کا تعلق اسی قبیلے سے تھا۔

22 نومبر 1933ء کو طلوع ہونے والا نیرّ تاباں 44 سال کی عمر میں 19 جون 1977ء کو لندن کے ایک ہوٹل میں ہمیشہ کیلئے غروب ہوگیا۔ بہت سی سیاسی اور قانونی مشکلات کے باوجود ان کا جسد خاکی لندن سے دمشق لاکر شیر دل خاتون جناب زینب بنت علی علیہما السلام کے جوارِ اقدس میں سپرد خاک کر دیا گیا۔

خدا رحمت کند ان عاشقانِ پاک طینت را

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سب سے پہلے مجھے سامعین سے اس بات کی معذرت کر لینی چاہئے کہ مولائے کائنات علیہ السلام کے سلسلے میں زبان کھول رہا ہوں جب کہ میں شاید اس کے لائق نہیں ہوں اس کے علاوہ میں کوئی مقرر یا خطیب بھی نہیں بلکہ ایک مدرس ہوں اور اسی وجہ سے میرا لہجہ بہر حال مدرس کا سا ہوگا جو اس کی اپنی کلاس میں ہوتا ہے اور شاید اسی لئے اس عظیم الشان جلسہ کیلئے میرا زبان کھولنا مناسب نہ ہو۔ لیکن میرا خیال ہے کہ ہم اور تمام چیزوں سے زیادہ تعلیم کے محتاج ہیں اور یہاں تک تبلیغ سے پہلے اس کی معرفت اور اس سے آشنا ہونے کی ضرورت ہے بہت سے دانشمندوں خصوصاً بچھڑے ہوئے ملکوں کی یہ غلط فہمی ہے اور یہ سمجھتے ہیں کہ علوم جدید اور طرز جدید سے ایک اور ترقی یافتہ سماج بنایا جا سکتا ہے جبکہ بصیرت و آگاہی اور فکر کی بلند نگاہی سماج کو زندگی اور قدرت بخشتی ہے۔ اگر ایک بے عقیدہ اور بے دین معاشرہ کو علم و ہنر اور صنعت و حرفت عطا کر دیا جائے تو یہ ایسا ہے کہ جیسے عظیم میوہ دار درخت بنجر زمین میں لگا دیا جائے لیکن وہ چیز جس کی کمی ہم میں ہے وہ ایمان اور قدرت ایمان نہیں ہے بلکہ عدم معرفت ہے ان مسائل سے جن کا ہمیں اعتقاد ہے۔

ایک بہت اہم مسئلہ جو ہمارے زمانے اور معاشرے میں درپیش ہے وہ

اسلام اور تشیع ہے ہم میں سے اکثر کا اعتقاد بھی اس پر ہے لیکن افسوس کہ ہم پورے طور پر اس سے واقفیت نہیں رکھتے۔ ہم ایک ایسے مذہب پر ایمان رکھتے ہیں کہ منطقی طور پر اس سے آشنا نہیں ہیں، مثلاً ہم مولائے کائنات علیہ السلام کو ایک امام ایک عظیم ہستی، ایک شخصیت واقعی سمجھتے ہیں اور ہم نے پوری تاریخ میں ان پر فخر کیا ہے لیکن افسوس، جس طرح ان کو پہچاننا چاہئے تھا پہچانا نہیں کیونکہ ہم ان کی ستائش میں زیادہ مشغول رہے، ان کو پہچاننے میں نہیں۔ اس لئے ضرورت ہے کہ آج ہم ایسی باتیں کریں کہ جس کے ذریعے سے ان کو پہچان سکیں۔

تاریخ اسلام میں مولائے کائنات علیہ السلام میں تعریف و توصیف اتنی کی جا چکی ہے کہ اگر ہم چاہیں تو ان اشعار کو جو ان کی مدح میں کہے گئے، وہ کتابیں جو ان کی توصیف میں لکھی گئیں اور جن میں ان کی کرامات بیان کی گئی ہیں ان سے ایک عظیم کتاب خانہ قائم کر سکتے ہیں لیکن اگر اس کے ساتھ ساتھ ایک طالب علم اس زمانے میں اس ملک میں جو علی علیہ السلام کا ملک ہے (چونکہ یہاں علی علیہ السلام والوں کی اکثریت ہے ورنہ تو ساری دنیا علی علیہ السلام کی ہے) ہم سے پوچھتا ہے کہ مولائے کائنات علیہ السلام کو سمجھنے کیلئے کون سی کتاب پڑھوں؟ ان کی حکیمانہ باتیں، ان کے نظریات و افکار اور ان کے اعمال کو سمجھنے کے لئے کن کن باتوں کو دیکھوں؟ تو میں متحیر ہوں کہ اس کو کیا جواب دوں؟ کس کتاب کا نام لوں؟ اور یہ بات نہ صرف میں بلکہ تمام دانشوروں کی طرف سے...... بلکہ پوری قوم کی طرف سے اپنے معلمین اور مدرسین سے کہوں کہ آپ نے مولائے کائنات علیہ السلام کو پہچنوانے کے لئے کیا کیا؟ وہ قوم و ملت ان کو کیسے پہچانے جو ان پر قربان ہوتی جا رہی ہے جس نے ان کے لئے اپنا خون، اپنا مال، اپنی زندگی سب کچھ نچھاور کر دیا؟

اس سلسلے میں قوم وملت نے کوئی کوتاہی نہیں کی ہے بلکہ ہمارے وہ دانش مند جن کی ذمہ داری تھی کہ وہ مولائے کائنات علیہ السلام کو پہچنوائیں، انہوں نے کوتاہی کی ہے ایران کے معمولی سے طالب علم، ایک اوسط درجے کے آدمی، ایک معمولی اسکالر کو چاہیئے کہ وہ مولائے کائنات علیہ السلام کو دوسروں کے مقابلے میں زیادہ پہچانتا ہو، بلکہ دوسروں کو پہچنوا سکے اور اگر کوئی تحقیق کا خوگر علی علیہ السلام کے سلسلے میں کچھ جاننا چاہے تو اس کی نظریں ایران کی طرف اٹھنی چاہیے تھیں، اسی طرح اگر وہ ایسے کتب خانے کی تلاش میں ہو جہاں مولائے کائنات علیہ السلام کے لئے اس کو بہتر مواد مل سکے تو وہ کتب خانہ ایران میں ہونا چاہیے تھا لیکن افسوس۔

ہماری قوم مولائے کائنات علیہ السلام اور ان کے خاندان پر ایسی فدا ہے کہ اس سے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں لیکن اپنے سماج کا ایک فرد ہوتے ہوئے مجھے یہ حق ہے کہ میں اپنے دانش مندوں اور فضلاء سے سوال کروں کہ آپ نے مولائے کائنات علیہ السلام کو صحیح طور سے کیوں نہ پہچنوایا؟ میں نے اپنی کتاب ''حجر بن عدیؑ'' کے مقدمے میں ایک اہم حقیقت کی طرف اشارہ کیا تھا کہ وہ کہتے ہیں مصلحت نہیں ہے! میں نے اسی کتاب میں لکھا تھا کہ آج اگر ایک طالب علم بیتھون (Bethoven) کے بارے میں کچھ جاننا چاہتا ہے تو اس کو بہت سی کتابیں اس کے بارے میں مل جائیں گی جبکہ اس موسیقار کو خود یورپ کے لوگ پسند نہیں کرتے اور نہ ہی اس کے بارے میں کچھ جاننے یا نہ جاننے سے کوئی فائدہ یا نقصان ہے پھر بھی نہ صرف اس کے بارے میں کتابیں ملیں گی بلکہ سینکڑوں مضامین اور اس کے آرٹ کے بارے میں اچھی خاصی بحثوں سے مواد مل جائے گا لیکن افسوس مولائے کائنات علیہ السلام کے لئے اس عظیم شخصیت کے لئے کوئی ایسی

کتاب بھی نہ مل سکے گی جو طالب علموں اور عام معلومات رکھنے والوں کی جستجو کی پیاس بجھا سکے۔

کتابیں ضرور ہیں لیکن صرف مدح میں، ستائش میں ہیں اشعار کہے گئے، لیکن شعراء نے صرف خراجِ عقیدت پیش کیا ہے لیکن وہ شخصیت تھی کیسی؟ جس کی اتنی تعریف کی جارہی ہے تو سناٹا ہے وہ بزرگ و برتر شخصیت جس کے لئے صدیوں سے نسلوں کے ایمان وقف ہو چکے ہیں اور جس کی محبت میں پوری قوم نے ہزاروں، لاکھوں مصیبت کے طوفان برداشت کیے ہیں لیکن محبت کی آگ ٹھنڈی نہ ہونے دی۔ ہمارے بزرگوں سے آج یہ عظیم محبت ہم تک پہنچی ہے جس کے پیچھے ہزاروں ظلم وستم کی کہانیاں ہیں لیکن آخر وہ کون ہے جس کی محبت میں اتنے ظلم برداشت کیے گئے۔ وہ شخصیت کیا تھی جس کی محبت کی پاداش میں اتنے مظالم ہوئے؟ وہ کیسی شخصیت ہے جس کے لئے آج بھی ہزاروں لاکھوں دل دھڑک رہے ہیں اس کے بارے میں کچھ نہیں معلوم...... کتنا عظیم سانحہ ہے؟ کتنی تکلیف دہ بات ہے......؟ مدحت کے ہر شعر سے پہلے، تعریف کے ہر جملے سے پہلے، ان کی محبت سے پہلے، ان کی معرفت ضروری ہے ان کی ضرورت اور احتیاج ہم کو بھی ہے اور پورے اس معاشرہ کو ہے جو ان پر جان دیتا ہے کیونکہ بغیر معرفت کے محبت کی کوئی قیمت نہیں ہے بلکہ شاید بت پرستی ہی شمار کر لی جائے۔

نصیری جو کہ شاید سب سے زیادہ مولائے کائنات علیہ السلام کو اہمیت دیتے ہیں۔ ان کو خدا کا درجہ دیتے ہیں، ان پر خود بھی قربان ہوتے ہیں، اپنے بچوں کو بھی قربان کرتے ہیں اور گمان کرتے ہیں کہ تمام پیغمبر و انبیاءؑ ان ہی کے فرستادہ تھے...... اتنی اہمیت دینے کے باوجود ان کی یہ محبت اور ستائش کیوں لاحاصل

ہے کیوں آپ اس کو بے کار سمجھتے ہیں؟ اس طرح کی مدح وستائش دوسری قوموں میں بھی اپنے پیغمبروں کیلیے، اپنے معبود کے لئے، اپنی مقدس شخصیات کے لئے پائی جاتی ہے لیکن اس کو کوئی اہمیت نہیں دی جاتی، کیوں؟ صرف اس لئے کہ اس کا کوئی فائدہ نہیں؟ اہمیت تو صرف معرفت کی ہے، قدر ومنزلت تو صرف عرفان کی ہے۔

مولائے کائنات علیہ السلام .... اگر ایک رہبر ہیں..... امام ہیں..... ایک نجات دہندہ ہیں، ان کی تعلیمات معاشرہ کی جان ہیں ان کے فرامین معاشرہ کو منزل تک پہنچانے کا ذریعہ ہیں۔ ان کی باتیں مقصد حیات کو روشن کرنے اور انسانیت کے کمال کو اجاگر کرنے کیلیے ہیں تو پھر ان کی تعلیمات کے ساتھ ہم ان کی شخصیت سے بھی واقف ہوتے نہ کہ صرف محبت بغیر ان کو پہچانے ہوئے۔

کیونکہ بغیر معرفت کے اگر محبت فائدہ مند ہوتی، ثمر بخش ہوتی تو آج ہم کسی اور منزل پر ہوتے کیونکہ یہ محال ہے، ناممکن ہے کہ کوئی معاشرہ کوئی سماج، کوئی قوم مولائے کائنات علیہ السلام کو پہچان جائے، ان کی پوری معرفت حاصل کرے اور اس کے بعد بھی اتنی پستی میں رہ جائے اتنی محروم رہے اور اس کی حالت اتنی ناگفتہ بہ ہو۔

اگر ہم یہ دیکھیں کہ کوئی مولائے کائنات علیہ السلام کا پیرو، کوئی ان پر آنسو بہانے والا یا وہ شخص جس کے دل میں محبت علی علیہ السلام موجزن ہے اور اس کی حالت اور اس کے معاشرے کی حالت دردناک ہے ناگفتہ بہ ہے تو جان لیجئے کہ وہ علیؑ کو نہیں پہچانتا۔ تشیع سے واقفیت نہیں رکھتا..... اگرچہ وہ دیکھنے میں شیعہ ہی نظر آتا ہے۔

مولائے کائنات علیہ السلام کو اگر ہم نہ پہچانیں اور ان سے محبت رکھیں تو یہ ایسا ہی ہے جیسے دوسری قومیں اپنی مقدس شخصیات سے محبت رکھتی ہیں۔ لیکن بیکار...... اگر یہ نہ معلوم ہو کہ مولائے کائنات علیہ السلام کون ہیں؟...... کیا کہتے ہیں؟...... ہم سے کیا چاہتے ہیں؟...... تشیع کے اصول کیا ہیں؟...... اس کا مقصد دینیت کیا ہے؟...... اس کا راستہ کون سا ہے؟ تو پھر اس مذہب میں اور دوسرے مذاہب میں تاثیر کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں رہ جائے گا بلکہ دونوں کی زندگی کا درجہ ایک ہوگا۔ دونوں کے افراد برابر ہوں گے وہ مولائے کائنات علیہ السلام جن کا عرفان نہ ہو سکے۔ وہ اس قوم کے لئے ویسے ہی ہو جائیں گے جیسے دوسری قوموں کے لئے ان کی شخصیات، کیونکہ صرف محبت خود بخود نجات دہندہ نہیں بن جاتی بلکہ عرفان و معرفت نجات دہندہ ہے۔

ہمارا فرض ہے کہ اپنے دور میں اپنے امامؑ کو پہچانیں نہ یہ کہ صرف محبت کریں وہ بھی بغیر معرفت کے۔ میرا مقصد ہرگز یہ نہیں ہے کہ میں محبت پر تنقید و اعتراض کروں کیونکہ یہ تو ممکن ہی نہیں کہ کوئی علیؑ کو پہچان جائے اور پھر ان سے محبت نہ کرے۔ لیکن یہ معرفت کی محبت اسے ایک عظیم روح، ایک باوقار پاک باز شخصیت سے روشناس کرائے گی اور پھر ایسی محبت یقیناً نجات دہندہ بھی ہو سکے گی اور ایسی ہی محبت پورے معاشرے کی روح بن سکے گی نہ وہ محبت جو ورثے میں مل رہی ہے اور جس کے ذریعے ہم چند محبت بھرے شعر یا چند عقیدت سے بھرپور جملے ادا کر دیا کرتے ہیں۔ ایسی محبت کا کوئی نتیجہ نہیں ہوگا۔ میرا خیال ہے مولائے کائنات علیہ السلام بھی اس محبت کو اہمیت نہ دیں گے اور ایسے عشاق کو اپنا نہیں سمجھیں گے۔

مولائے کائنات علیہ السلام نے خود بھی اپنی فوج کے ایک عہدے دار کو مخاطب کر کے کہا تھا جب اس نے بڑے خوبصورت الفاظ میں ان کی تعریف کی تھی کہ:

''میں اس سے کہیں بزرگ و برتر ہوں جتنا تمہارے دل میں
ہوں اور اس سے کہیں کم ہوں جتنا تمہاری زبان پر ہے۔''

مولائے کائنات علیہ السلام وہ ہیں کہ لکھنے والوں نے لکھا ہے جیسے کہ ''ملل ونحل'' کہ آپ علیہ السلام نے اپنے پرستش کرنے والوں کو آگ میں ڈال دیا اور اس قسم کے خیالات رکھنے والوں کو اپنے ملک سے خارج کر دیا۔

ممکن ہے بعض لوگوں کا خیال ہو کہ محبت علیؑ آخرت میں شفاعت ہوگی لیکن میں سمجھتا ہوں کہ وہ محبت جو عدم معرفت کے ساتھ ہو آخرت میں بھی کام نہ آئے گی (جس طرح دنیا میں کام نہیں آتی) کیونکہ آخرت بھی اصولی اور منطقی قوانین کی طابع ہے۔ آخرت بھی اسی عقل اور ارادے والے کی تیار کردہ ہے جس نے اس دنیا کو خلق کیا۔ جس طرح یہاں اصولی اور منطقی قوانین اور علت ومعلول کے اسباب کی محتاج ہر شئے ہے۔ اسی طرح وہاں بھی جس طرح یہاں معرفت کے بغیر محبت آگے نہیں بڑھنے دیتی۔ اسی طرح وہاں بھی فائدہ بخش نہ ہوگی۔

میں ان چند باتوں میں جو یہاں تقریر کروں گا۔ میرے دو موضوع ہوں گے:

(۱)..........شکست میں کامیابی

(۲)..........تنہائی اور علی علیہ السلام

ہم لوگ عام طور سے کامیابی ہی کو کامیابی تصور کرتے ہیں۔ لیکن مولائے کائنات علیہ السلام نے اہم اور بہت ہی اہم سبق دیا ہے کہ شکست میں بھی کامیابی پوشیدہ ہے۔

آخر کیسے؟ ایک امام، ایک رہبر، یہ سبق دے رہا ہے کہ کبھی تو فتح پانے اور کامیاب ہو جانے کو کامیابی سمجھو اور کبھی شکست کی صورت میں کامیابی تصور کرو اور اس بات کو کبھی لفظوں سے کہہ کر سمجھایا اور کبھی اپنی خاموشی سے۔

اس سے پہلے میں نے ایک رسالے میں مولائے کائنات علیہ السلام کے سلسلے میں لکھا تھا۔ اس میں ذکر کر چکا ہوں، نہج البلاغہ ہمارے یہاں قرآن کے بعد سب سے اہم کتاب ہے لیکن اس کو ہم نہیں پڑھتے، اس کو نہیں جانتے اور نہیں سمجھتے جیسا کہ قرآن، کیونکہ قرآن کی بھی ہم صرف تعریف کرتے ہیں، عزت کرتے ہیں، اسے چومتے ہیں اور بس..... لیکن اس تقدیس و تعریف سے کیا فائدہ؟ اس کا کیا اثر ہو سکتا ہے؟ جب کہ ہم کو یہ نہیں معلوم کہ اس میں کیا ہے۔ اسی طرح ہماری وہ اہم شخصیات جو ہماری نجات دہندہ ہو سکتی ہیں۔ ہماری پوری قوم کو نجات دلا سکتی ہیں۔ آنے والی نسلوں کو راستے پر لگا سکتی ہیں لیکن کب.........؟

میں نے کتاب ''حجر بن عدی'' میں لکھا ہے کہ نہج البلاغہ کے بارے میں تمام دانشمندوں، مصنفین اور ادیبوں کا کہنا ہے کہ یہ ایک بہترین کتاب ہے۔

مختلف فرقوں سے تعلق رکھنے والے اس نقطہ پر متحد ہیں کہ یہ ایک آفاقی کتاب ہے کیونکہ یہ کتاب مذہبیات کے اعتبار سے حرف آخر، فکر و نظریات کی دنیا میں انتہائی عمیق اور اخلاقیات کے موضوع پر بھرپور کتاب ہے۔ اس کی تحریر پکار پکار کر کہتی ہے کہ یہ کسی عام انسان کی تحریر نہیں۔ یہ صرف علی علیہ السلام کا کمال ہے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ آپ نے پوری عمر میں جتنی باتیں کیں، جتنے کلمات ارشاد فرمائے ہیں ان سب میں سب سے زیادہ اثر انگیز، خوبصورت، عمیق اور ثمر بخش جملہ ہے..... وہ ہے:

''پچیس سال کی خاموشی''

۲۵ سال کی خاموشی

''یہ جملہ'' دنیا کے تمام انسانوں کو مخاطب کر رہا ہے، البتہ ان انسانوں کیلئے جن میں انسانیت ہے جو مولائے کائنات علیہ السلام کو پہچانتے ہیں۔ ۲۵ سال کی خاموشی کوئی معمولی چیز نہیں وہ بھی سختیوں اور مصیبتوں کے ساتھ، پھر کسی گوشہ نشین اور تنہائی پسند شخص کی خاموشی نہیں، بلکہ فعال اور زبردست شخص کی خاموشی۔ ان کی یہ خاموشی خود ایک بولتا ہوا جملہ ہے۔ بلکہ ایک کتاب ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام کبھی لفظوں سے بولتا ہے اور کبھی سکوت کے ذریعے، کبھی کامیابیوں کے ذریعے اور کبھی مظلومیت ان کا تخاطب ہم سے ہے اور ہماری ذمہ داری بھی ہم کو معلوم ہے کہ ہم اس سبق کو یاد رکھیں۔ ان باتوں پر غور کریں اور ان خاموشیوں کو سمجھیں۔

ایک اور بات جس کا میں یہاں ذکر کردوں کہ ایک اہم بیماری یہ ہے، کوئی مذہب یا کسی کی تعلیمات عوامیات کا شکار ہو جاتی ہیں جیسا کہ اکثر مذاہب شکار ہو گئے، کیوں......؟ اس کو میں اس طرح واضح کردوں کہ آئن سٹائن کی تھیوری عوامیات کا شکار نہ ہوسکی کیونکہ اس کا موضوع ایسا ہے کہ فقط ایک خاص علمی طبقہ وہ بھی صرف ریاضی اور فزکس کے ماہرین ہی کا اس سے تعلق ہے، اور چونکہ وہ آئن سٹائن کی زبان کو بخوبی سمجھتے ہیں۔ اس لئے وہ اسے مسخ نہیں کر سکتے، یا اس میں تحریف و تبدیلی نہیں کر سکتے۔ یعنی جن تھیوریوں اور فلسفوں کا تعلق ایک خاص طبقہ سے ہے اور وہ طبقہ بھی اس چیز میں

مہارت کامل رکھتا ہو تو وہ تھیوری اور فلسفہ اسی دائرے میں رہتا ہے اور محفوظ رہتا ہے، لیکن جو چیزیں کسی طبقہ میں گھری نہیں رہتیں، کیونکہ ان کا تعلق عوام اور پورے انسانی گروہ سے ہے، وہاں یہ بیماری جس کا ذکر میں نے کیا اکثر آ جاتی ہے، اور اس بیماری کی ایک صورت یہ ہوتی ہے کہ اس دین کی کسی اہم حقیقت کو غلط طریقہ سے سمجھا جائے یا پیش کیا جائے۔ یہ ایک ایسی بیماری ہے کہ جو کسی بھی حقیقت کو نیست و نابود کر سکتی ہے کیونکہ عوام اپنی سمجھ کے مطابق (وہ بھی بہت پست فکر کے ساتھ) اس کو اپنے ذہن میں لاتے ہیں اور پھر اپنی عادت اپنے سلیقے اور اپنی شخصیت و تربیت کے اعتبار سے اسی رنگ میں لا کر اس حقیقت کو اپنے اصل مرکز سے بہت دور کر دیتے ہیں۔

میں مثال کے طور پر ایک چیز عرض کرتا ہوں کہ آپ دیکھ سکیں کہ حقائق کس طرح عوامیت کا شکار ہوتے ہیں مثلاً ہمارے مذہب کی جو اہم اور مقدس شخصیات ہیں ان کی معرفت ہم ایک انسان کی اپنی اصلیت و واقعیت کو پورے طور سے نہیں درک کر پاتے مثلاً ہم مولائے کائنات علیہ السلام کے بارے میں یہ نہیں جانتے کہ کیوں وہ اہم ہیں؟ بس یہ جانتے ہیں کہ وہ بہت اہم ہیں۔ ہم کو معلوم ہے کہ عظیم ہیں ہماری ان سے کوئی نسبت ہی نہیں۔ ''ہم خاک وہ عالم پاک''۔

اس لئے کہ ہمیں اس اسلامی معیار یا مولائے کائنات علیہ السلام کے بتائے ہوئے راستے کا پتہ ہی نہیں۔

ہم صرف پرانی عادت اور وراثت میں ملی ہوئی علیت جو نسل در نسل ہم تک چلی آ رہی ہے۔ اس کے ذریعے مولائے کائنات علیہ السلام کو پہچانتے ہیں۔ ان کے تمام فضائل و مناقب کو ہم صرف معجزات و کرامات پر منحصر کر دیتے ہیں۔ فقط ان کے معجزات و کرامات کی جستجو میں ہیں یا اس پر سر دھنتے ہیں۔ مثلاً جب آپ گھوارے میں تھے تو

ایک اژدھا آیا تھا۔ آپؑ نے ننھے ننھے ہاتھ گہوارے میں سے نکالے اور اژدھے کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ اس لئے مولائے کائناتؑ بہت عظیم ہیں۔ ہمیں اس روایت سے سروکار نہیں۔ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جب وہ امام ہیں یعنی اگر ان کی پیروی کی جائے تو ہم نجات پا جائیں گے۔ وہ ہمارے رہنما ہیں، ہمارے رہبر ہیں یعنی ہم سب کو ان کے نقش قدم پر چلنا چاہیے تاکہ ہم ایک اچھا سماج، ایک آزاد معاشرہ اور ایک کامیاب تہذیب سے ہمکنار ہو سکیں لیکن ہم اس بچے کی پیروی کس طرح کریں جس نے گہوارہ میں اژدھے کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ کوئی سماج و معاشرہ اس شخص کی تقلید کرے جو محیر العقول کام انجام دیتا ہے، آخر کیسے انجام دے اور پھر وہ ترقی بھی کر جائے یہ کیسے ممکن ہے؟ میری سمجھ میں نہیں آتا۔

یہ صحیح ہے کہ مولائے کائناتؑ نے اس طرح کے معجزات بھی دکھائے لیکن ہم اس کی تعریف کر کے کس طرح پیروی کریں اور کس طرح آگے بڑھ سکیں گے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم ایسا کیوں کرتے ہیں؟ صرف اس لئے کہ ہزاروں سال سے مذہبی نظریہ یہ تھا کہ دنیائے خاکی جس میں ہم رہتے ہیں، پست ہے، معمولی ہے اور سب سے کمتر ہے، اس کے اوپر بھی چند افلاک ہیں جو زمین سے زیادہ اہمیت والے ہیں اور افلاک جیسے جیسے اوپر واقع ہوتے ہیں، اسی حساب سے ان کے درجات بلند ہوتے جاتے ہیں، یہاں تک کہ اس ملک کی باری آتی ہے جو فرشتوں کا مسکن ہے جو زمین سے بہت زیادہ بلند درجہ رکھتا ہے اور انسان سے کہیں زیادہ مرتبے والا ہے۔ پھر فرشتوں کے آسمان سے اوپر وہ فلک ہے جو خداؤں کا مسکن ہے، یہ وہ تعلیم ہے جو ہزاروں سال سے مختلف مذاہب دے رہے تھے اور ہم اس کے قائل تھے۔

اس نظریہ کے مطابق انسان سب سے زیادہ پست ہے۔ اس کے بعد فرشتوں

کا نمبر ہے اور پھر خدا یا خداؤں کی منزل ہے۔ یہ طرزِ فکر اور یہ نظریہ جب اسلام میں داخل ہوتا ہے تو ہم اسلام کو اور مولائے کائنات کو بلکہ تمام بانیانِ مذاہب کو اسی غیر اسلامی نظریئے کے تحت دیکھتے ہیں، اور پھر ان کی عظمت کے قائل ہوتے ہیں اور ان کی تعریف وتوصیف میں مشغول ہو جاتے ہیں اور اس سے کوئی ثمر نہیں ملتا۔

میرے اساتذہ میں جناب گوردیج جو مشہور ماہر سماجیات ہیں، کہتے ہیں کہ ۷۰ سال علم اجتماع میں Structualism کے نظریئے کی سخت مخالفت اور جم کر مقابلہ کیا اور اس کے بعد جب میں نے لاروس کی ایک کتاب پڑھی جس میں میری زندگی اور کارناموں سے بحث کی گئی تھی تو اس میں وہ رقمطراز تھا کہ جناب گوردیج دنیا کے ماہر سماجیات ہیں اور وہ Structualism کے نظریئے کے بانیوں میں تھے۔ یہ ہے ہماری ۷۰ سالہ محنت کا صلہ، اب اس بات کو لکھنے کے بعد وہ چاہے جتنی تعریف کرے۔ چاہے جتنا ان کو عظیم بتائے جس قدر بھی انہیں ماہر سماجیات بتائے جس قدر بھی ان کی خدمات کا اعتراف کرے، کوئی فائدہ نہیں کیونکہ ان کے اصل نظریئے کو ختم کر دیا۔

اسلام میں خلقت انسان کے بارے میں ملتا ہے کہ خداوند عالم نے بہت واضح طور پر اپنی امانت کو زمین، پہاڑ، فرشتوں حتیٰ کہ مقرب فرشتوں کے سامنے پیش کیا لیکن کوئی اس امانت کے بوجھ کو اٹھانے پر تیار نہ ہوا، صرف انسان تھا جو آگے بڑھا اور وہ اس عظیم منصب کو لینے پر تیار ہو گیا۔

تو پھر خداوند عالم نے تمام فرشتوں کو حکم دیا کہ سب اس عظیم مخلوق کو سجدہ کریں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ انسان فرشتوں کا مسجود رہ چکا ہے۔ بلند درجہ رکھتا ہے، آدمیت، بشریت اور انسانیت فرشتوں سے اعلیٰ واشرف ہے۔

اس لئے اگر ہم اسلام کی روشنی میں غور کریں اور مولائے کائنات علیہ السلام کو اس

عنوان کے تحت دیکھیں کہ ایک مسلمان، ایک پیرو اپنے امام کے لئے کیا کہتا ہے اور اسلامی نقطۂ نظر سے مولائے کائنات علیہ السلام کے بارے میں کچھ کہا گیا تو ہمیں فضائل تلاش کرنا ہوں گے جو ایک انسان میں ہونے چاہئیں، وہ انسان جو مسجود ملائکہ ہے۔ وہ انسان جو مقرب فرشتوں سے بھی برتر ہے۔ مگر افسوس...... ہم میں یہ ادراک نہیں ہے۔ یہ طرزِ فکر ابھی تک ہمارے ذہنوں میں جگہ نہ پا سکی، اسی وجہ سے جب ہم اپنے آئمہؑ اور انبیاءؑ کی تعریف و توصیف کرتے ہیں تو ان کو فرشتہ صفت کہتے ہوئے فخر محسوس کرتے ہیں اور سوچتے ہیں کہ اس طرح ہم نے امام علیہ السلام کو فرشتوں کی منزل پر پہنچا دیا۔

اور ان کو ہم انسانیت کی منزل سے بہت اوپر لے آئے۔ درآں حالیکہ حقیقت میں فرشتوں کے برابر لاکر ہم نے ان کی منزلت کو کم کیا ہے۔

اور تمام وہ صفات جو فرشتوں کے لئے ہیں۔ اگر ہم ان کی نسبت اپنے آئمہ کی طرف دیں اور ان کو مقرب فرشتوں کی منزل پر لاکر رکھیں تو قرآن کی روشنی میں ہم نے ان کے مرتبے کو آدمیت اور انسانیت سے کم کر دیا ہے، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ فضیلت نہیں ہے کہ ان کا سایہ نہ تھا کیونکہ روح کا سایہ نہیں ہوتا، فرشتوں کا سایہ نہیں ہوتا، بہت سی مخلوقات ہیں جن کا سایہ نہیں ہے تو یہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فضیلت نہیں ہوئی اور اسی طرح اس قسم کی باتیں مولائے کائنات علیہ السلام میں ہوں تو علی علیہ السلام کی تعریف فرشتوں کے برابر ہو جائے گی جبکہ مولائے کائنات علیہ السلام کی منزل فرشتوں سے بہت بلند ہے۔ وہ تو مسجود ملائکہ ہیں۔

اس لئے ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم ان میں انسانیت کے کمال کو تلاش کریں نہ کہ فرشتوں کی صفات کو لیکن اب تک ہمارا طرزِ فکر غیر اسلامی ہے بلکہ یہ طرزِ فکر اسلام سے پہلے کا ہے، اس کے تحت ہم علی علیہ السلام کو دیکھتے ہیں اور پھر علیؑ اور اپنے دوسرے

رہبروں کو فرشتہ ثابت کرتے ہیں جس کا رہبری سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ فرشتوں کی پیروی نہیں ہو سکتی اور فرشتہ انسانی معاشرے کو نجات عطا نہیں کر سکتا یہ صرف عظیم انسان کا کمال ہے کہ وہ انسانیت کو نجات بخش سکتا ہے وہ عظیم انسان کوئی اور نہیں علیؑ ہے علیؑ ہے علیؑ۔

لیکن مولائے کائنات علیہ السلام کے انسانی کمالات کیا ہیں۔ وہ مسئلہ جس کے بارے میں شاید اب تک سوچا ہی نہیں گیا جب کہ یہ سب سے ضروری تھا وہ ہے مولائے کائنات علیہ السلام کی تنہائی، یوں تو ہر انسان ایک تنہا مخلوق ہے، تمام قصوں کہانیوں میں، تمام پرانی الف لیلوی داستانوں میں، تمام مذاہب میں انسانیت کی پوری تاریخ میں، مختلف طریقوں سے مختلف زبانوں میں یہ کہا گیا ہے کہ انسان کی سب سے بڑی مصیبت اس کی تنہائی ہے...... یہ تنہائی کیوں......؟

''اریک فردم'' کا کہنا ہے کہ تنہائی عشق، بیگانگی کی پیداوار ہے یہ بالکل صحیح بات ہے کیونکہ جو شخص اپنے معبود، اپنے معشوق کے عشق میں مبتلا ہے وہ دوسری تمام چیزوں سے بیگانہ ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اسے اب کسی اور کی آرزو نہیں۔ جب یہ ہو تو تنہا رہ جاتا ہے، جو شخص لوگوں سے اور تمام چیزوں سے بیگانہ ہے، کسی سے انس نہیں ہے کسی سے مطابقت نہیں ہے تو وہ تنہا رہ جاتا ہے، اسے تنہائی کا احساس ہوتا ہے۔

انسان جیسے جیسے ''انسان'' ہونے لگتا ہے۔ اسے تنہائی کا زیادہ احساس ہونے لگتا ہے، عام طور سے دیکھا جاتا ہے کہ جو لوگ گہرے ہوتے ہیں یا جو انسانیت کے ممتاز افراد ہوتے ہیں، وہ لوگوں کی ہوس و لذت کو دیکھ کر رنجیدہ ہوتے ہیں اور افسوس کرتے ہیں یا وہ لوگ جو رفتہ رفتہ بلندیوں کی طرف قدم بڑھاتے ہیں وہ رفتہ رفتہ معاشرے سے دور ہوتے جاتے ہیں اور اکیلے رہ جاتے ہیں۔

دنیا کی اہم علمی شخصیات کو اگر دیکھا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ ان کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ وہ اپنے وقت اور زمانہ میں تنہا تھیں یا خود اپنے دور میں غیر معروف تھیں، اجنبی تھیں، خود اپنے وطن میں بیگانہ تھیں اور ان کو...... ان کی باتوں کو...... ان کی تحقیقات کو...... اور ان کے طرزِ فکر اور سطحِ فکر کو، فن کو ان کے بعد والوں نے زیادہ بہتر سمجھا۔

ہر فلسفہ اور طرزِ فکر میں انسان تنہا نظر آتا ہے...... تنہائی کی مصیبت کو برداشت کرتا نظر آتا ہے اور جیسے جیسے انسان اپنی انسانیت کی منزل کو طے کرتا چلا جاتا ہے۔ اپنے گرد و پیش سے اجنبی ہوتا جاتا ہے زندگی کے ہنگاموں سے الگ ہوتا جاتا ہے اور تنہا ہوتا چلا جاتا ہے۔

جن وجہوں سے انسان معاشرہ سے کٹ جاتا ہے۔ ان میں سے ایک وجہ یہ ہے کہ وہ ان چیزوں سے بیگانہ ہو جاتا ہے جس کی طرف عام طور پر رغبت ہوتی ہے، اس کی وہ پیاس جو دوسروں کو ایک چشمہ سے سیراب ہوتا دیکھتی ہے لیکن خود ادھر مائل نہیں ہوتی جیسے جیسے روح بلندیوں کی طرف بڑھتی ہے، اور عظمتوں کو حاصل کرتی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ عظمت جس کو قرآن قصہ آدمؑ کی صورت میں ہمارے سامنے پیش کرتا ہے، وہ بالکل تنہا ہو چکی ہوتی ہے۔

دنیا میں کون تنہا نہیں؟...... وہ شخص تنہا نہیں ہے جو سب کے ساتھ ہے، یعنی سب کی سطحِ فکر میں مساوی ہے، سب کے اندازِ فکر سے سوچتا ہے اور سب کے انداز سے دیکھتا ہے، یعنی وہ جو زمانے کے رنگ میں رنگ جاتا ہے اور پھر وہ ان ہی کے رنگ میں، ان ہی کے انداز میں ان ہی کی سطح پر سوچتا ہے، دیکھتا ہے سنتا ہے اور پھر ہر چیز میں ان کے ساتھ ہو کر ان ہی میں سے ایک ہو جاتا ہے، یہ انسان پھر کبھی تنہائی کا

احساس نہیں کرتا، کیوں؟.......... کہ سب کی طرح سے ہے..... ان ہی میں سے ایک ہے، وہ ان ہی کے ساتھ ہے..... سب کے ساتھ کھاتا پیتا ہے..... سب کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا ہے اور ان کے لذات سے بہرہ اندوز ہوتا ہے۔

اجنبیت اور تنہائی کا احساس تو اس کو ہوتا ہے جو اپنے معاشرے کی اور اپنے زمانے کی برائیوں کو دیکھتا ہے، اسے محسوس کرتا ہے اور پھر اس سے اجتناب کر کے پھر تنہا رہ جاتا ہے اور یہی اجتناب اور احساس تنہائی اپنے ماحول سے اپنی دنیا سے کھینچ کر اسے اس کی طرف لے جاتا ہے جس کی وہ پرستش کرتا ہے جہاں اس کے احساسات کو سکون ملتا ہے، وہ جگہ جو اس کے لئے مناسب ہے، وہ منزل جو اس کی شخصیت کے لائق ہے۔

یہی احساس روح کے کامل ہونے کے ساتھ بڑھتا رہتا ہے شدید سے شدید تر ہو جاتا ہے اور اس اعتبار سے تکلیف میں اضافہ ہو جاتا ہے، انسان کے لئے سب سے دردناک چیز (وہ انسان جو بلندیوں تک پہنچ چکا ہے) تنہائی ہے۔

ہم مولائے کائنات علیہ السلام کی زندگی میں دیکھتے ہیں جس حد تک بھی ہماری معرفت ہے کہ وہی مولائے کائنات علیہ السلام نالۂ نیم شبی میں مشغول ہیں، فریاد کناں ہیں، ان کی خاموشی دیکھ کر دل ڈرنے لگتا ہے۔ ان کی باتیں سن کر دل میں ایک درد سا اٹھتا ہے کیونکہ یہ وہی علی علیہ السلام ہے جنہوں نے مدتوں تلوار چلائی، جنگیں کیں، قربانیاں دیں اور اس کے بعد جب اپنی بے پناہ کوشش اور قربانیوں سے ایک جدید معاشرے کی بنیاد ڈالی، لوگوں کو ایک نئی زندگی دی اور اپنے مشن میں کامیاب ہوئے تو خود اپنے ہی ساتھیوں میں تنہا ہیں، خود اپنے ہی لوگوں میں اجنبی ہیں۔ صرف یہی نہیں ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ رات کی تاریکی میں شہر سے باہر نکلتے ہیں۔ صحرا کے کسی کنوئیں میں منہ ڈال کر حال دل کہتے ہیں، آنسو بہاتے ہیں۔ پھر خاموشی سے ''اجنبیوں'' میں آجاتے ہیں، اتنے سب

اصحاب..... مدینہ کی اتنی بڑی آبادی..... اتنے بہت سے لوگوں کا آنا جانا..... پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چاہنے والے........ لیکن کوئی بھی نہیں جو مولائے کائنات علیہ السلام سے مانوس ہو یا جس سے وہ مانوس ہو سکیں..... کوئی ان کی سطح کا نہیں..... کہ اس سے اپنا درد دل کہہ سکیں..... کچھ سنا سکیں..... کوئی دل نہیں ہے..... کوئی سننے والا نہیں ہے..... کوئی مونس نہیں..... مدینہ میں..... اپنا وہ شہر..... اور وہ معاشرہ، وہ سماج جو خود انہوں نے بنایا..... ان کی کوششوں سے وجود میں آیا..... کوئی غم خوار نہیں..... کوئی اپنا نہیں..... اندھیری رات میں شہر سے باہر صحرا میں چلے جاتے ہیں کہ انہیں کوئی نہ دیکھے کوئی قریب نہ آئے.....

سب سے بڑی مصیبت کسی انسان کے لئے یہ ہوتی ہے کہ پست و نادان اشخاص اپنی تنگ نظری پست فطرتی اور گناہوں اور رزالتوں سے آلودہ ذہن ہونے کی وجہ سے..... اس کی عظمت کو..... منزلت کو..... اور اس کی شخصیت کو..... نہ صرف یہ کہ نہ سمجھ سکیں بلکہ کم سمجھیں۔

ایسی عظیم شخصیتیں ان حالات میں یہ سوچتی رہتی ہیں کہ کاش..... یہ لوگ..... یہ ذہن..... یہ نظریں..... یہ بظاہر زندہ انسان..... یہ چلتی پھرتی مخلوق..... اسے دیکھے..... اسے پرکھے..... غور کرے اور سمجھے پہچانے۔

کسی لکھنے والے نے لکھا کہ ''شیر دن میں نہیں روتا..... لومڑیوں کے سامنے..... بھیڑیوں کے سامنے..... عام جانوروں کے سامنے..... شیر آنسو نہیں بہاتا۔ ان کے سامنے اپنے وقار کو اپنی عظمت کو خاموشی کی چادر میں لپیٹے رہتا ہے۔ اپنے ناقابل برداشت درد کو بھی چھپائے رہتا ہے لیکن..... جب رات کی تاریکی پھیل جاتی ہے، جب اندھیرا ساری کائنات پر چھا جاتا ہے تو وہ..... تنہا..... اس وقت صبر کے

بندھن ٹوٹ جاتے ہیں۔ تو اندھیری تاریک رات میں وہ جنگلوں، صحراؤں میں...... ایسی جگہ جہاں کوئی نہ ہو...... جس وقت لوگ اپنے گھروں میں آرام سے سو رہے ہوں...... کوئی تکلیف، کوئی مصیبت، کوئی فکر ان کے لئے باعث بیداری نہ ہو...... اس وقت یہ تنہا...... جو پوری کائنات میں اپنے کو تنہا محسوس کر رہا ہے...... یہ زمین، یہ آسمان، سب اس کے لئے اجنبی ہیں...... اگر اس کا کوئی ساتھی ہے، کوئی غمخوار ہے، کوئی ہمدم ہے تو صرف اور صرف اس کا احساس ذمہ داری...... جو اسے معاشرہ سے منسلک کئے ہوئے ہے...... اس کی امامت ہے جو لوگوں سے ملنے پر مجبور کرتی ہے...... ورنہ جب وہ اپنے چاروں طرف دیکھتا ہے تو پھر وہی نظر آتا ہے اور یہ تنہا ہے...... تنہا ہے...... پھر تنہائی کی تلاش کرتا ہے اور پھر آبادیوں سے دور، ان اجنبیوں سے دور بہت دور کسی تاریک کنویں میں منہ ڈال کر اپنا حال دل کہتا ہے، صرف اس لئے کہ اس کی یہ فریاد اس کی سرد آہیں، کسی پست فطرت اور کم ظرف کے کانوں تک نہ پہنچیں، کوئی کوتاہ نظر اسے نہ دیکھ سکے...... یہ سرد آہیں کیوں؟...... اس کی یہ سسکتی ہوئی آواز کیوں بلند ہوتی ہے......

افسوس کہ یہ سرد آہیں سب کے لے عقدہ لاینحل ہیں...... یہ سسکیاں سب کے لئے معمہ ہیں حتیٰ کہ ان کے چاہنے والے...... ان کے شیعہ یہ نہیں جانتے کہ یہ کیوں؟...... کیا اس لئے کہ خلافت چھن گئی......؟

کیا اس لئے کہ فدک غصب کر لیا گیا؟

کیا اس لئے کہ منصب کسی اور نے چھین لیا؟

کیا اس لئے کہ اس کی منزلت کو...... یا اس لئے کہ...... یا خدا جانے...... کیا وجہ ہے؟

ایک تنہا روح...... اس دنیا میں جو اس کے لئے اجنبی ہے، اس معاشرہ میں جس میں وہ زندگی گزار رہا ہے لیکن وہ اپنے کو ان کی سطح پر نہیں لا سکتا...... وہ سطح جو جہالت کی سطح ہے، وہ سطح جو قبائلی نظام کی پیداوار ہے، وہ اپنی اس بلند و بالا منزل سے اس قدر نیچے نہیں اتر سکتا کہ...... ان کے ساتھ نظر آئے وہ...... خود خواہشوں میں لگے ہوئے ہیں...... وہ جو لوٹ مار کو ایمان بنائے ہوئے ہیں، وہ جو دنیا میں غرق ہوئے جا رہے ہیں وہ اپنے کو اس سطح پر ہرگز نہیں لا سکتا...... جہاں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام لیوا نظر آرہے ہیں...... اس لئے وہ تنہا ہے اکیلا ہے......

مولائے کائنات علیہ السلام اس طرح احساس تنہائی کر رہے ہیں جیسے کہ انسانیت تنہائی محسوس کرتی ہے جس طرح مختلف نظریات نے اس کو بیان کیا ہے، میں جو کچھ کہہ رہا ہوں اس احساس تنہائی کے بارے میں اگر تمام مذاہب نہیں تو اکثر مذاہب اس کے معتقد نظر آئیں گے اور دین و مذہب سے بیگانہ، سارتر بھی یہی کہتا نظر آتا ہے، وہ انسان کو ایک الگ، ایک جدا مخلوق ماہیت اور بعد میں ان کا وجود...... سوائے انسان کے...... کیونکہ یہاں اس کے برعکس ہے پہلے اس کا وجود، بعد میں ماہیت۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ سارتر جو خدا اور مذاہب پر ایمان نہیں رکھتا وہ بھی یہی کہتا ہے کہ انسان ایک ایسا عنصر ہے جو پوری مادی کائنات سے جدا ہے اور اجنبی اور بیگانہ...... اور انسان حیوانیت اور خواہشات سے جو اس کی فطرت سے ملے ہیں جس رفتار سے دور ہوتا جاتا ہے تو وہ تنہا ہوتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ جب صرف انسان رہ جاتا ہے تو سب سے الگ، سب سے جدا...... اور مولائے کائنات علیہ السلام ایک انسان مطلق ہیں......

مولائے کائنات علیہ السلام انسانیت کی پوری تاریخ میں ایک ایسی شخصیت ہیں جس میں مختلف بلکہ متضاد چیزیں جمع ہوگئی تھیں کبھی وہ ایک عام مزدور کی طرح نظر آتے ہیں

کہ اپنے ہاتھوں سے اپنے بازوؤں سے مٹی کھود رہے ہیں، تپش ہوتی ہے چلچلاتی دھوپ ہے مگر وہ کام میں مشغول ہیں اور پھر کبھی فلسفی کے روپ میں سوچتے نظر آتے ہیں...... کبھی اپنے خالق کی یاد میں کسی پہنچے ہوئے عارف کی طرح دریائے معرفت میں غوطہ زن ہیں...... تو کبھی بہادر جنگجو کی طرح تلوار لے کر میدان میں نظر آتے ہیں...... کبھی ایک سیاستدان کی طرح ملک وقوم کی رہنمائی کرتے نظر آتے ہیں...... تو کبھی معلم اخلاق، فضائل انسانی کا سرچشمہ نظر آتے ہیں...... وہاں باپ بھی ہیں...... اور وفادار دوست بھی ہیں...... بے مثال شوہر بھی ہیں...... پھر ایسے کمالات والا انسان اتنی بلند سطح والی شخصیت کو اتنے پست فطرت انسانوں کے درمیان اجنبیت بھی محسوس کرنا چاہئے۔

ایک ایسا انسان...... اپنے معاشرے میں...... اپنے ان ساتھیوں کے درمیان جو مدتوں اس کے ساتھ میدانِ جنگ میں رہے...... وہ ساتھی جو بظاہر ایک ہی مقصد کے لئے کوشاں تھے...... جو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہر معرکے میں شریک تھے...... وہی ساتھی جو اسی پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان رکھتے ہیں جن پر یہ، لیکن جنہوں نے اعتقاد وایمان کی منزل میں پہنچ کر بھی اپنی پرانی روایت کو بھلایا نہیں ہے۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاص کے ساتھ ساتھ اپنی قبائلی زندگی کو ذہن سے ہٹا نہیں سکے ہیں۔ اپنی خودخواہیوں سے الگ نہیں ہو سکے ہیں۔ پچھلی زندگی اور اس کے اثرات کو پورے طور سے محو نہیں کر سکے ہیں اور مولائے کائنات علیہ السلام کی طرح خلوص وایثار مطلق کی منزل تک نہیں پہنچ چکے ہیں۔

مولائے کائنات علیہ السلام اپنے ان ہی ساتھیوں کے درمیان اجنبی ہیں...... تنہا ہیں مولائے کائنات علیہ السلام پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رشتہ دار ہونے کے جرم میں مبتلا ہیں کیونکہ قبائلی عربوں کے معاشرے میں اسلام سے زیادہ قبیلہ کی اہمیت ہے۔

ابھی یہ معاشرہ اس بات کو برداشت نہیں کر سکتا کہ پیغمبر بھی ''بنی ہاشم'' میں سے اور اس کا جانشین بھی اس طرح تو بنی تمیم و بنی عدی و بنی زہرہ کچھ نہ رہ جائیں گے بلکہ رفتہ رفتہ تمیم، عدی و (بنی عدی) زہرہ سب مٹ جائیں گے۔

اس اہم نکتہ کو کوئی مؤرخ یا سماجیات کا ماہر نہیں سمجھ سکتا ہے، اس لئے مولائے کائنات کی تنہائی کا باعث ان کی پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے رشتہ داری بھی ہے۔ اگر وہ آج ان کے خاندان میں نہ ہوتے تو شاید اتنی مخالفت نہ ہوتی...... یہ وہ شخصیت ہے جس کو مدینہ کے معاشرے سے کوئی ربط نہ تھا۔ لیکن حق کے لئے جو معرکے کئے تھے...... تکلیفیں اٹھائی تھیں...... رنج ومصائب جھیلے تھے...... آج وہی تلوار، وہی جنگیں، وہی معرکے اس کو سب سے الگ کرنے پر تلے ہوئے ہیں، اس لئے آج بھی مدینہ میں تنہا ہیں اور اس سے بھی بڑی مصیبت اور تکلیف دہ بات یہ ہے کہ مولائے کائنات علیہ السلام خود اپنے چاہنے والوں کے درمیان تنہا ہیں، اپنی اس قوم کے درمیان جس نے اپنی پوری محبت، الفت، تاریخ، تعلیم سب ان کے سپرد کر دی ہے۔ اسی قوم میں علی علیہ السلام تنہا ہیں کیونکہ ان کو عظیم شخصیت سمجھ کر، ایک زبردست رہبر کی طرح سے ان کی پرستش کرتے ہیں لیکن...... یہ نہیں جانتے کہ وہ کون ہیں؟...... ان کا غم کیا ہے؟...... وہ کہنا کیا چاہتے ہیں؟ ان کی خاموشی کیوں ہے......؟

ہماری زبان میں ابھی تک اس ''نہج البلاغہ'' کا وجود نہیں ہے جس کو عام طور سے لوگ پڑھیں...... تنہائی اس کے سوا اور کیا ہے؟...... آج آپ کو معمولی سے معمولی مصنفین کی وہ کتابیں جن کی کوئی حیثیت نہیں ہے، ہر جگہ مل جائیں گی لیکن افسوس مولائے کائنات علیہ السلام کی وہ عظیم کتاب جس کو ہزار سال گزر گئے، آج تک ہاتھوں کی زینت نہ بن سکی دماغوں پر نہ چھا سکی، ذہنوں میں نہ اتر سکی۔ ابھی تک وہ قوم جس نے

پورے طور سے اپنے کو علی علیہ السلام کا پرستار کر دیا ہے جس کے خون کا قطرہ قطرہ ان کی راہ میں بہنے کے لئے تڑپ رہا ہے، وہی قوم ان کی باتوں سے واقف نہیں ہے۔ ان کے کلمات سے نا آشنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج مولائے کائنات علیہ السلام کی اتنی مدح وستائش کے باوجود نا آشنا ہیں۔ مولائے کائنات علیہ السلام کو دو طرح کی تکلیفیں اٹھانی پڑیں، ایک وہ زخم جو آپ نے اپنے شہر میں ابن ملجم کی تلوار سے محسوس کیا اور دوسرا وہ زخم جو آپ کو تاریک رات میں آبادی سے دور لے جاتا ہے صحراؤں میں لے جاتا تھا...... اور آنسو بہانے پر مجبور کرتا ہے۔ لیکن ہم...... صرف اس زخم پر آنسو بہاتے ہیں جو ابن ملجم کی تلوار سے پہنچا تھا، جبکہ وہ اصل میں مولائے کائنات علیہ السلام کے لئے زخم نہیں ہے (اس کو تو وہ مسکرا کر جھیل گئے) زخم تو وہ ہے جس نے ان کو آنسو بہانے پر مجبور کر دیا جس نے انہیں معاشرہ سے دور کر دیا اور وہ ان کی تنہائی ہے کہ ہم ان کو نہ پہچان سکے، ان کی باتوں پر غور نہ کر سکے۔ آیئے اب اس زخم وتنہائی کو سمجھیں۔ لیکن افسوس کہ تلوار کے زخم کو مولائے کائنات علیہ السلام نے محسوس نہیں کیا...... اور...... ہم...... ہم مولائے کائنات علیہ السلام کے اس زخم تنہائی کو محسوس نہیں کرتے۔